برصغیر پاک و ہند میں مسلم قومیت کے احیاء میں وحدت الشہود کا کردار

ڈاکٹر ازکیا ہاشمی ☆

برصغیر پاک و ہند کی مسلم سیاسی، سماجی، دینی و ثقافتی زندگی پر جن دو نظریات کے گہرے اور دور رس اثرات مرتب ہوئے نیز اسلامی فکر اور تصوف کے حوالے سے جن دو نظریات کو خصوصی اہمیت اور شہرت حاصل ہوئی ہے، وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نظریات ہیں۔ اول الذکر نظریہ جس کا تصور قدیم صوفیاء مثلاً ذوالنون مصریؒ، جنید بغدادیؒ، سری سقطیؒ، معروف کرخیؒ اور بایزید بسطامیؒ وغیرہم کے ہاں پایا جاتا ہے اور جسے باقاعدہ اور منظم صورت میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) نے اپنی تصانیف میں پیش کیا ہے، ابتداء میں محض ایک متصوفانہ نظریہ تھا جس سے ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات کے تعلق کی وضاحت ہوتی تھی اور اس نظریہ کے تمام تر مباحث صرف صوفیانہ حلقوں اور خانقاہوں تک محدود رہتے تھے، مگر بعد میں اس نے ہمہ گیر مقبولیت حاصل کر کے ایک باقاعدہ فلسفہ کی شکل اختیار کرلی، اور اس کے ردوقبول پر معتدبہ لٹریچر وجود میں آیا (مثلاً البقاعی (۸۵۸ھ) کے رسائل "تنبیہ الغبی علیٰ تکفیر ابن عربی" اور "تحذیر العباد من اھل العناد ببدعۃ الاتحاد"۔ ملا علی القاری (م ۱۰۱۴ھ) کی "رد الفصوص" سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی "تنزیہ الاعتقاد عن الحلول والاتحاد"۔ (۱) نیز شیخ عبدالکریم جیلی کی تصنیف "الانسان الکامل" کافی شہرت رکھتی ہے۔ (۲)

یہ فلسفہ مختلف سلاسل تصوف بالخصوص شطاری، قادری اور نقشبندی سلاسل کے ذریعے ہندوستان پہنچا اور یہاں کے مقامی مزاج سے جو کسی قدر اس کا ہم خیال تھا ہم آہنگ ہوگیا اور بہت جلد یہاں کی سیاسی، دینی، سماجی اور اخلاقی زندگی کے تمام شعبوں پر اس کے اثرات پڑنا شروع ہوئے۔ اس نظریہ نے جہاں رواداری، انسان دوستی اور روشن خیالی کو جنم دیا وہاں ہندو مسلم ترکیبی ثقافت کے فروغ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ برصغیر کے مخصوص ماحول میں ویدانت اور تصوف، ہندومت اور اسلام کے درمیان ترکیب و امتزاج سے متعلق مختلف علمی،

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، مانسہرہ

فکری اور احیائی تحریکوں کے پس منظر میں جھانک کر دیکھا جائے تو اس فلسفہ کے واضح نقوش نمایاں نظر آئیں گے۔ مختلف ہندو مصلحین' رامانج' رامانند' بھگت کبیر' گرونانک' اور انتہا پسند وجودی نقطۂ نظر کے حامل صوفی داراشکوہ اسی فکر و فلسفہ کا پرچار کرتے ہوئے اسلام اور ہندومت کے درمیان مفاہمت کی وجوہ تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ ان کے بنیادی افکار میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے تاہم بہت حد تک ان کے ہاں فکری مماثلت بھی پائی جاتی ہے جس کے زیر اثر وہ مذاہب کے رسوم و ظواہر کو مسترد کرتے ہوئے باطنی پاکیزگی اور محبت کو اصل مذہب قرار دیتے ہیں' ان کے نزدیک مذہب کی ظاہری صورتوں کے برعکس اس کی روحانی قدروں کی زیادہ اہمیت ہے۔ اسی لئے وہ ہندومذہب اور اسلام کو ایک ہی صداقت کے جداگانہ مظاہر بتلاتے ہیں۔

پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں ان افکار کو کافی فروغ حاصل ہوا اور صورتحال اس حد تک پہنچ گئی کہ انتہا پسندانہ صوفیانہ حلقوں میں مومن و کافر کا امتیاز مٹنے لگا' ویدوں کو الہامی کتب کا درجہ حاصل ہوا' مذہب کی ظاہری رسوم نظرانداز ہونے لگیں اور شریعت و طریقت کے راستے جدا ہونے لگے' اور ایک مسلم سکالر کے الفاظ میں اس نظریہ نے یہ خطرناک صورت اختیار کرلی کہ :

"ہر چیز خدا ہے' مذہب کی ظاہری حیثیت یعنی دیر و حرم کی تفریق کا خاتمہ' مندر اور مسجد کا فرق جاتا رہا' سماجی زندگی میں اتنی بے اعتدالی پیدا ہوئی کہ یہ کہا جانے لگا کہ انسان بھی خدا ہے تو پھر یہ مضحکہ خیز بات ہے کہ خدا خدا کی عبادت کرے' ایسی صورت میں کوئی گناہ گناہ نہیں رہتا' کیوں کہ گناہ کا مرتکب خود خدا ہے' جب خدا ہی مرتکب ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ خدا خود اپنی ذات کو سزا دے' اس نظریہ نے حرم اور میکدہ کا فرق ختم کردیا' عوام اپنے نفس اور خدا دونوں کو بیک وقت خوش رکھنے کی کوشش کرتے"۔ (۳)

بعض مغربی مفکرین بھی وحدت الوجودی نظریات کی (غلط تعبیرات کی) اشاعت کو اسلامی دنیا میں بہت سی برائیوں کے فروغ کا سبب قرار دیتے ہیں۔ (۴)

اسی فلسفہ سے فائدہ اٹھا کر جہاں ہندوؤں نے اپنے مذہب کو تقویت دینے اور مسلم قومیت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی وہاں مختلف سیاسی قوتوں نے بھی اسے اپنے اقتدار اور سلطنت

کے استحکام کیلئے اپنی حکمت عملی کی اساس بنایا۔ مغل حکمران اکبر کی صلح کل پالیسی اور اس کا وضع کردہ "دین الٰہی" درحقیقت آزاد خیال صوفیاء اور بھگتی تحریک کے پھیلائے ہوئے افکار سے اخذ شدہ تھا جس کا بنیادی مقصد "متحدہ قومیت" اور "وحدۃ ادیان" کے تصور کی عملی تشکیل تھا جس نے اسلامی تہذیب اور مسلم قومیت کے زوال کو دوچند کردیا۔ کے ایم پانیکر نے اس کی پالیسیوں اور خودساختہ دین کے پس پردہ جن مقاصد کی نشاندہی کی ہے وہ تین ہیں (۱) قومی حکومت کا قیام (۲) ہندوؤں سے مفاہمت (۳) متحدہ ہندوستان (۵) ان ہی مقاصد کے حصول کیلئے اس نے متعدد غیراسلامی اقدامات کئے مثلاً" ہندوعورتوں سے نکاح' ہندوؤں اور سکھوں کی مملکت کے اہم عہدوں پر تقرری' جزیہ کی بندش' ہندوانہ رسوم کی حمایت وغیرہ۔ ہندوؤں نے باقاعدہ سوچی سمجھی سازش کے تحت حرم اور دربار میں اکبر کا قرب حاصل کیا اور اس کے مذہبی اور عمرانی نظریات پر اثرانداز ہونے لگے اور اس کو آلہ کار بنا کر متحدہ ہندوستانی قومیت' ہندواحیائیت اور مسلمانوں کے ملی تشخص کے خاتمہ کیلئے جدوجہد شروع کردی۔

غیرجانبدارانہ ماخذ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اکبر کے دور حکومت میں ہندوؤں کے اثرورسوخ میں بڑا اضافہ ہوا' اس کے مشیران خاص بھگوان داس اور مان سنگھ کی امور سلطنت میں براہ راست مداخلت اور مملکت کی پالیسیوں پر اثرانداز ہونے کا نتیجہ مسلمانوں کے ضعف کی شکل میں ظاہر ہوا' اس کے دور میں علماء و مشائخ کا وقار کم کرنے کیلئے انہیں دور دراز کے علاقوں میں منتشر کیا گیا' بعض کو قلعوں میں نظربند کیا گیا بعض پرگوناگوں اخلاقی الزامات عائد کئے گئے' بعض کو ملک بدر کردیا گیا۔ (۶) ہندوؤں پر عائد شدہ جزیہ کی رقم معاف کردی گئی جس سے یہ تاثر دیا گیا کہ مسلمان اور ہندو علیحدہ علیحدہ اقوام نہیں ایک ہی خطہ میں رہنے والی ایک قوم ہے' ان میں سے نہ کوئی فاتح ہے نہ مفتوح "BAMBE GASCOIGNS" اپنی تصنیف "THE GREAT MUGHULS" میں اس کے پس پردہ اسی حکمت کا ذکر کرتا ہے۔ (۷)

بعض مورخین اکبر کے اس طرز عمل کو مذہبی رواداری سے تعبیر کرتے ہیں مگر یہ عجیب رواداری تھی' جس کے تحت ہندو دھرم کو تقویت حاصل ہوئی اور اسلام کو شدید ضعف پہنچا۔ خود ہندومورخین کے نزدیک اکبر پر ہندوؤں کا اس قدر تسلط ہوچکا تھا کہ اس کی تمام عادات و

اطوار ہندوانہ ہوچکی تھیں وہ دیوالی کا تہوار عقیدت سے مناتا' ہندوؤں کے طرز کے بال رکھتا تھا' لباس میں ہندو راجپوتوں کا سا انداز اختیار کرتا اور تلک لگاتا تھا۔ (۷) اسی طرح ایک ہندو مصنف "سری رام شرما" اپنی مشہور تصنیف PLOICY OF THE MUGHUL EMPEREOR "THE RELIGIOUS" میں اکبر کی نام نہاد اسلامی حکومت کے متعدد ایسے اقدامات کا ذکر کرتا ہے جو نہ صرف خلاف اسلام ہیں بلکہ وہ برصغیر سے اسلام کی برتری کے خاتمہ اور ہندودھرم کے غلبہ کیلئے سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہیں۔(۸)

یہی ہندو مورخ ۱۵۶۴ء کو ہندوستان کی تاریخ کا اہم موڑ قرار دیتا ہے کیونکہ اسی سال اکبر نے جزیہ ختم کردیا تھا' وہ اس کے خاتمہ کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے :

" It Proclaimed the Superiority of Islam over Hinduism "(۹)

(اس لئے کہ جزیہ کو ہندو ازم پر اسلام کی برتری قرار دیا گیا تھا)۔

" M.P.SRIVASTAVA " کے نزدیک بھی "نفرت انگیز" جزیہ کا خاتمہ اکبر کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ (۱۰)

ان اقدامات کے نتیجہ میں نہ صرف ان میں مفتوح قوم ہونے کااحساس ختم ہوا بلکہ وہ ہندو حکومت کے قیام کا خواب دیکھنے لگے' مان سنگھ' بھگوان داس' رائے سنگھ وغیرہ کے اقتدار میں آنے سے ہندوؤں کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہوا' دھڑا دھڑ مندر تعمیر ہونے لگے اور جگہ جگہ مسجدیں منہدم ہونے لگیں۔ (۱۱)

اسلامی تشخص کے خاتمہ کیلئے بنیادی عقائد اور دینی شعائر کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ (۱۲) مگرہندومذہب کی ترویج و اشاعت کیلئے حکومتی سطح پر دارالترجمہ قائم کیا گیا جس میں ہندومذہبی کتب مہا بھارت' رامائن اور اتھروید کے ترجمے کرائے گئے۔ (۱۳) بہت سے مسلمانوں کے نام تبدیل کئے گئے (۱۴) پیغمبرؐ اسلام کی شان میں سرعام گستاخیاں ہونے لگیں۔ (۱۵)

مشہور مورخ بدایونی نے "منتخب التواریخ" میں اکبری دور کی بے اعتدالیوں کی طویل فہرست درج کی ہے جس سے اکبر کے مذہبی میلانات اور بالخصوص اس کے ہندوانہ اطوار و افعال پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ (تفصیلی مطالعہ کیلئے یہ کتاب اہم ماخذ شمار ہوتی ہے) اگرچہ بعض حلقے

اس کے بہت سے مندرجات کو مبالغہ آرائی پر محمول کرتے ہیں اور اس کی صحت اور استناد میں شبہ کا اظہار کرتے ہیں (۱۶) حالانکہ اس کے بیان کردہ حقائق کی معاصر و قریب المعاصر تاریخی کتابوں سے تائید ہوتی ہے۔ ابوالفضل کی مشہور تصنیف "آئین اکبری" (۱۷) عہد اکبری کے مورخ نظام الدین احمد بخشی کی "طبقات اکبری" (۱۸) عہد جہانگیری کے مورخ محمد قاسم ہندوشاہ استرآبادی کی "تاریخ فرشتہ" (۱۹) ' اسی عہد کے صوفی بزرگ شیخ آدم بنوری کی کتاب "خلاصتہ المعارف فی اسرار العقائد" (۲۰) معتمد خان کی "جہانگیر نامہ" (۲۱) عہد شاہجہانی کی تصنیف "دبستان مذاہب" (۲۲) اسی دور کے ایک اطالوی سیاح "نکولس مینو کی" (۲۳) اور عہد عالمگیری کے مورخ محمد ہاشم خافی خان کی "تاریخ منتخب اللباب" (۲۴) سے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ان بیانات کی تصدیق ہوتی ہے جو "منتخب التواریخ" میں مندرج ہیں۔ اکبر کے معتمد خاص ابوالفضل نے "آئین اکبری" میں اکبر کے مذہبی رجحانات اور اس کے جاری کردہ ملکی فرامین کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ مثلاً" آفتاب پرستی' آگ کی تعظیم' مسئلہ تناسخ پر اعتقاد' نکاح بالغان کی ممانعت' ایک سے زائد شادیوں پر پابندی' قریبی رشتہ داروں میں نکاح کی مخالفت' بارہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کی ختنہ پر پابندی' سن ہجری کی منسوخی' ذبح گاؤ پر پابندی اور ترک لحمیات وغیرہ۔ (۲۵)

مورخین کے خیال میں اس موضوع پر یہ مجموعہ مستند ترین معلومات فراہم کرتا ہے۔

تاریخی تجزیہ سے یہ امر محقق ہوچکا ہے کہ اسلام اور مسلم قومیت کو جن دو تحریکوں نے برصغیر میں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ وہ "بھگتی تحریک" اور "دین الہٰی" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ دونوں تحریکیں وجودی فلسفہ اور افکار سے متاثر تھیں۔ اول الذکر نے انسان دوستی اور مذہبی رواداری کے لبادے میں تمام تر تقویت ہندومذہب کو پہنچائی جس سے ہندوؤں کے قبول اسلام کی رفتار میں کمی واقع ہوئی اور ہندومسلم ترکیبی ثقافت کو فروغ دے کر مسلم تشخص کو نقصان پہنچایا۔ جبکہ ثانی الذکر نے متحدہ ہندوستانی قومیت کے پس پردہ ہندودھرم کے احیاء کیلئے فضا ہموار کی اور مسلم قومیت کو ختم کرنے کی سازش کی۔

ان حالات میں جس شخصیت نے احیاء اسلام' تجدید دین اور متحدہ قومی نظریہ کے خلاف

مسلمانوں کے ملی تشخص کو برقرار رکھنے اور اسے غیر مسلم معاشرے میں جذب ہونے سے بچانے کیلئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں، شیخ احمد فاروقی سرہندی ہیں جو مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کا حقیقی فکری کارنامہ تصور وحدت الوجود کے بالمقابل وحدت الشہود کا تصور پیش کرنا ہے۔

جدید نقطہ نظر کے مطابق آپ کے فکری نظام کی اساس اسی تصور پر قائم ہے اور ان کے دیگر افکار و تصورات اس سے منطقی طور پر استخراج کئے جاسکتے ہیں۔ ترقی پسند نقطہ نظر کے حامل بعض معاصر فضلاء نے حضرت مجدد کی جملہ مساعی کو آپ کی اسی فکر کا مظہر قرار دیتے ہوئے آپ کی فکر و فلسفہ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور وحدت الوجودی افکار سے اخذ شدہ رجحانات مثلاً" بین المذاہبی رویے' انسان دوستی اور ہندو مسلم ترکیبی ثقافت کا دفاع کرتے ہوئے وحدت الشہود کے فلسفے کو فرقہ پرستی اور تحلیلی رجحان پر محمول کیا ہے۔ (۲۶)

پیش کردہ مقالہ ہذا کا بنیادی مقصد اس رجحان کا تاریخی حقائق کی روشنی میں تجزیہ کرکے یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرت مجدد کا یہ فکری رویہ کس حد تک معقول اور اس دور کے معروضی حالات کے مطابق تھا۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اولا" اس سوال کی مختصرا" وضاحت کردی جائے کہ وحدت الشہود کی حقیقت کیا ہے؟ بنیادی طور پر وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے فلسفے خالق اور مخلوق کے باہمی تعلق کی وضاحت کرتے ہیں جو باطنی مشاہدے پر مبنی ہیں' حضرت مجدد اول الذکر کو باطنی مشاہدے کی ابتدائی منزل قرار دیتے ہیں جس پر پہنچ کر سالک پر خود فراموشی کی ایسی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور وہ ذات باری میں اتنا محو ہوجاتا ہے کہ غیرخدا کا احساس تک نہیں رہتا۔ وحدت الوجود حقیقت نہیں محض ایک احساس ہے ایک کیفیت ہے (۲۷) ان کے نزدیک وحدت الوجود کا تجربہ (جس میں سالک اپنے آپ کو ذات باری سے متحد خیال کرتا ہے اور غیر کو معدوم سمجھنے لگتا ہے) حقیقت کے بجائے التباس ہے۔ حقیقت کا مشاہدہ نہیں' اس کا تجربہ سکر کی حالت میں ہوتا ہے' اس لئے قابل اعتماد نہیں' حقیقی تجربہ کثرت' دوری اور عبدیت کا ہے جو شعور اور ہوشیاری کی کیفیت میں ہوتا ہے (۲۸) جس میں خدا اور فرد کے درمیان خالق و مخلوق کا رشتہ باقی رہ جاتا ہے۔ (۲۹) اور سالک

محسوس کرتا ہے کہ اس کا وجود خدا سے مختلف ہے' اس کے تابع ہے مگر اس سے جدا ہے' یہی مقام عبودیت ہے جو روحانی ارتقاء کی اعلیٰ منزل ہے جسے وہ وحدت الشہود سے تعبیر کرتے ہیں۔(۳۰)

برصغیر میں آزاد خیالی کی اساس جس فلسفے نے فراہم کی وہ وحدت الوجود تھا جس نے اسلام اور مسلم قومیت کو سخت نقصان پہنچایا تھا' حضرت مجدد اپنی خداداد بصیرت کے پیش نظر آزاد خیالی کے اس حقیقی منبع کو تلاش کرنے اور اس پر بھرپور حملہ کرنے میں کامیاب ہوگئے' اور وحدت الشہود کے ذریعہ اس فلسفہ پر کاری ضرب لگا کر آزاد خیالی کو اس کی بنیادوں سے محروم کردیا جس کے نتیجہ میں احیاء اسلام کو تقویت حاصل ہوئی اور مسلم قومیت کا تصور اجاگر کرنے میں مدد ملی۔

راقم کو وحدت الوجود کی افادیت سے انکار نہیں' متقدمین صوفیاء نے بالخصوص برصغیر میں وحدت الوجود کی تعبیر خاص مصلحت کے تحت اختیار کی تھی۔ یہ فلسفہ بہت سے ہندوجوگیوں اور ویدانت پر اعتقاد رکھنے والوں کے اسلام لانے کا محرک بنا کیونکہ ان کا ویدانتی فلسفہ کس حد تک وحدت الوجود کا ہم خیال تھا اس طرح یہ فکری اشتراک اور ذہنی یگانگت غیر مسلم اقوام کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا ذریعہ بنی۔ اس فلسفہ نے یہاں کے مخصوص ماحول میں اگرچہ روشن خیالی' رواداری اور انسان دوستی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا تاہم جلد ہی اس کے منفی اثرات ظاہر ہونا شروع ہوئے مثلاً" ہندومت اور اسلام' ویدانت اور تصوف کے درمیان ترکیب و امتزاج کا عمل' اکبر کا وضع کردہ دین الٰہی' متحدہ قومیت کا نظریہ اور صلح کل پالیسی' ان سب کی بنیاد اسی فلسفہ کی غلط تعبیرات پر رکھی گئی' اس سے اسلامی فکر و تہذیب کو جو شدید نقصان پہنچا اس کی وضاحت ہم مقالے کے ابتدائی حصے میں کرچکے ہیں۔ حضرت مجدد کا پیش کردہ فلسفہ وحدت الوجود کے منفی اثرات کے ازالہ کی کوشش کی ہے جس میں آپ نے خالق و مخلوق کے تعلق کی صحیح وضاحت کرتے ہوئے وحدت الوجود کی ان تعبیرات کی پرزور مخالفت کی جن سے اتحاد و حلول کا شائبہ ہوتا ہے۔ (۳۱) انہوں نے واضح کیا کہ "دنیا اور خدا میں وہی رشتہ ہے جو خالق و مخلوق میں ہوتا ہے' اتحاد و حلول کی تمام تقریریں الحاد ہیں جو سالک کی باطنی غلط فہمی سے پیدا ہوتی ہیں۔ (۳۲)

آپ نے اس موقف کی سختی سے تردید کی کہ "رام" اور "رحمان" ایک ہستی ہیں۔ اس سلسلے کی کوششیں دراصل وحدت الوجود اور ویدانتی فلسفہ کے امتزال اور بھگتی تحریک کے زیراثر کی جارہی تھیں۔ آپ نے دوٹوک الفاظ میں واضح کیا کہ "رام اور رحمان کو ایک ہستی قرار دینا کسی طرح ٹھیک نہیں، خالق، مخلوق کے ساتھ ایک نہیں ہوتا"۔ (۴۳)

وہ مسلمانوں کو غیرمسلموں میں جذب کرنے کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے ساتھ ساتھ ان رسوم و رواج کو ترک کرنے کی ہدایت کرتے ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشابہت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ مثلاً" ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

"بیماری اور مصیبتوں میں شیطانوں اور بتوں سے مدد طلب کرنا عین شرک اور گمراہی ہے، مسلمان عورتوں کی کمال جہالت کے باعث مشرکوں کی شرکیہ رسومات میں شرکت اور ہنود کے معظم دنوں کی تعظیم اور ان کی متعارف رسومات کا ادا کرنا مستلزم شرک اور موجب کفر ہے جیسے دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان اور خصوصا" ان کی عورتیں کفار کی رسوم ادا کرتی ہیں اور انہیں اپنی عید کی طرح مناتی ہیں، یہ سب کچھ شرک اور دین اسلام کا انکار ہے"۔ (۴۴)

برصغیر کی تاریخ کا گہرا تجزیہ کرنے والے محققین کے نزدیک ہندومذہب اپنی تمام تر قوت جاذبہ کے باوجود اسلام کو اپنے اندر جذب نہیں کرسکا تو اس کی ایک بڑی وجہ وحدت الوجود کے مقابلہ میں وحدت الشہود کی اشاعت بھی ہے۔

مشہور مورخ اور فلسفی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے نزدیک "وحدت الوجود کا رد اس عہد کی سب سے بڑی ضرورت تھی اور اسلام اس وقت جس مرض میں مبتلا تھا اس کی تشخیص اسی پر مبنی تھی (۴۵) ان کے الفاظ میں "وحدت الوجود کا رجحان یہ ہے کہ وہ مذہبی فلسفوں اور اخلاقی ضابطوں کے درمیان اختلافات کو نظرانداز کردیتا ہے، یہ اس قوم کیلئے مہلک ہے جو یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ وہ دنیا کی ایک انوکھی (منفرد) قوم ہے جس کیلئے لازمی ہے کہ وہ اپنی انفرادیت کو قائم رکھے ورنہ تباہ ہوجائے گی"۔ (۴۶) وہ لکھتے ہیں "حضرت مجدد کی تبلیغی مساعی کا حاصل یہی تھا کہ اسلامی تعلیمات کو ہندومت کے ساتھ اشتراک مقصد سے روکیں اور انہیں محض وحدت الوجودی تعلیمات نہ بننے دیں، مسلمانوں کی ملت اور اسلامی تعلیمات کی پاکیزگی اسی طرح برقرار رہ سکتی

تھی کہ ان کی جداگانہ ہستی اور انوکھی نوعیت پر اصرار کیا جائے"۔(۳۷)

گویا دوسرے الفاظ میں اسلامی قومیت کی تشکیل، مسلم تشخص کے قیام، مسلمانوں کی سیاسی برتری اور اسلامی اقدار کی بالادستی کیلئے وحدت الشہود کا نظریہ اس دور کی صورتحال کا ناگزیر تقاضا اور وقت کی اہم ضرورت تھی جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو یہ شعور دیا کہ ہندو مسلم ترکیبی ثقافت برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی برتری کے خلاف ایک سازش ہے جس سے متحدہ قومیت کو تو فروغ حاصل ہو سکتا ہے مگر اس کی قیمت مسلمانوں کو اپنے ملی وجود اور مذہبی تشخص سے دستبرداری کی شکل میں ادا کرنا ہوگی۔ مسلم مفکرین کے نزدیک اسی فکر و شعور نے درحقیقت "ہندوستان کی اسلامی سلطنت اسلام کو لوٹا دی"۔(۳۸)

اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو حضرت مجدد کا یہ فکری رویہ اس دور کے معروضی حالات کے پیش نظر انتہائی معقول نظر آتا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے بجا فرمایا ہے کہ "وحدت الوجود کے برعکس وحدت الشہود کے تصور سے عملاً" اسلام کی سیاسی حاکمیت اور مسلمانوں کی یہ حیثیت مسلمان کے جماعتی برتری و سیادت پر منتج ہوتی تھی اور اس کے ساتھ ہی محکوم ہندوؤں اور ان کے مذہب کی تحقیر بھی اس میں شامل تھی"۔(۳۹)

غیر مسلموں بالخصوص ہندوؤں کے متعلق آپ نے جو سخت رویہ اور دو ٹوک موقف اختیار کیا وہ دراصل وحدت الوجود اور بھگتی تحریک کے خلاف ردعمل کا نتیجہ ہے جس سے اس دور میں ہندومت کے احیاء کی تحریک کو تقویت حاصل ہو رہی تھی۔ آپ اپنی متعدد تحریروں میں ہندوؤں کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں اور ان سے بغض و عناد رکھنے اور انہیں نجس و ناپاک قرار دینے کی تلقین کرتے ہیں۔ (۴۰) مثلاً" اسی سلسلے کے ایک مکتوب میں شیخ فرید بخاری کو تحریر فرماتے ہیں "کفر اور کافروں کو ذلیل کرنے میں اسلام اور مسلمانوں کی عزت ہے' جزیہ سے کفار کی اہانت اور ذلت مقصود ہے' کافروں کی جس قدر عزت کی جائے' اسلام کی اسی قدر ذلت ہے"۔(۴۱)

یہ موقف اگرچہ بظاہر عام صوفیاء کے نقطہ نظر سے نیز عہد جدید کے اصول رواداری اور وسیع المشربی کے خلاف نظر آتا ہے' جس کی بناء پر بعض معاصرین آپ کے اس رویے کو

موجیت پسندی اور سادیت پسندی پر محمول کرتے ہیں اور اسے فلسفہ وحدت الشہود کا ناگزیر نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ (۴۲) جبکہ بعض نے آپ کے ان نظریات کو ہندوؤں کے خلاف آپ کی متشددانہ ملامتی مہم قرار دیا ہے (۴۳) مگر یہ تنقید دراصل حضرت مجدد کی دینی و سیاسی بصیرت اور ان کے دور کی سیاسی، مذہبی اور معاشرتی صورتحال سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ اس دور کی صورتحال کے گہرے تجزیے سے اس رویہ کا سمجھنا آسان ہوجاتا ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ رویہ بالکل فطری اور حالات کے عین مطابق تھا۔ حضرت مجدد اپنے دور کی صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر اسلام اور مسلمان اسی صورتحال سے دوچار رہے تو یہاں سے اسلام کا غلبہ ہمیشہ کیلئے ختم ہوجائے گا۔ جس کا مطلب خود مسلمانوں کے سیاسی اور سماجی مقام کا خاتمہ اور ہندوؤں کو ہندوستان کی قسمت کا مالک بنانا ہے وہ مسلم امراء دربار کو اس تشویشناک صورتحال کا شعور دلاتے ہوئے متوجہ کرتے ہیں کہ:

> "کفار ہند بے تحاشا ہدم مسجد مے نمایند و آنجا تعمیر معبد ہائے خودمی سازند و نیز کفار برملا مراسم کفر بجا می آرند و مسلمانان دراجرائے اکثر احکام اسلام عاجز اند"۔ (۴۴)

> (ہندوستان کے کفار بے تحاشا مسجدوں کو ڈھاتے ہیں اور ان کی جگہ اپنے مندر بناتے ہیں، اس طرح کفار علانیہ کفر کی رسوم سرانجام دیتے ہیں مگر مسلمان اسلام کے اکثر احکام بجالانے سے مجبور ہیں)

اور ایک دوسرے مکتوب میں اپنی تشویش کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:

"ہندو صرف اس پر راضی نہیں کہ اسلامی حکومت میں کھلے بندوں ان کے کافرانہ قوانین نافذ ہوجائیں بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکامات و قوانین سرے سے ناپید و نابود کردیئے جائیں، ان کو مٹادیا جائے کہ شعائر اسلامی اور مسلمانوں کاکوئی اثرونشان یہاں باقی نہ رہے"۔ (۴۵)

وہ اہم مناصب پر فائز درباری امراء کو بار بار اسلام کی کسمپرسی اور مسلمانوں کی ذلت و خواری کا احساس دلاتے اور اعلاء اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کیلئے جدوجہد کی دعوت دیتے ہیں۔ (۴۶)

ان حالات میں جب کہ ایک طرف ہندواحیاء کی تحریکیں زوروں پر ہوں' دوسری طرف مسلمان ایک مسلمان بادشاہ کے عہد حکومت میں احکام اسلامی جاری کرنے سے عاجز ہوں' بلکہ شعائر اسلامی کو مٹانے کی مہم باقاعدہ سرکاری سرپرستی میں جاری ہو' وجودی نظریات کی اشاعت اور بھگتی تحریک کے زیراثر مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز مٹنے لگا ہو اور دیر و حرم میں تفریق کا خاتمہ ہورہا ہو' اگر آپ سکوت اختیار کرتے اور مصلحت کوشی سے کام لیتے ہوئے ہندوؤں کے خلاف سخت ردعمل ظاہر نہ کرتے تو یقیناً" کچھ ہی عرصہ میں مسلمان ہندویت کے انجذابی فلسفہ کا شکار ہوکر ایک علیحدہ ملت کا وجود کھو بیٹھتے۔

اس تناظر میں ہی آپ کی فکر اور رویہ کی معقولیت کو پرکھا جاسکتا ہے اس صورتحال کے تجزیہ اور ادراک کے بغیر آپ کے رویے کو ہدف تنقید بنانا سخت ناانصافی ہوگی۔ مستشرق فرائڈ مان (FRIED MANN) نے بھی آپ کے رویہ کی یہی توجیہ ان الفاظ میں کی ہے۔

"ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے بارے میں سرہندی کے جو خیالات بعض جگہوں پر واشگاف ملتے ہیں وہ دراصل ان کے خیالات کی نشوونما سے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق اس سیاق و سباق سے ہے جس میں وہ لکھ رہے ہیں"۔(۴۷)

حضرت مجدد کے ہندوؤں سے متعلق اس انداز فکر سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی حقائق کے منافی ہوگا کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کے تعاون باہمسایانہ رواداری کیلئے کسی صورت میں تیار نہ تھے۔ آپ کا طریق کار مثبت اور تعمیری تھا آپ نے ہندوانہ تشدد کے مقابلہ جبر و تشدد کی تحریک نہیں چلائی بلکہ صرف زبانی جہاد کی تلقین پر اکتفا کیا۔ چونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے ہندوستان میں رہتے ہوئے ہندو اکثریت کو نظرانداز کرنا ناممکن تھا اس لئے آپ نے ہندو مسلم مسئلے کا ایک وقتی حل بھی پیش کیا۔ شیخ محمد اکرام کے الفاظ میں:

"ہندو مسلم مسئلے کا انہوں نے ایک حل بھی پیش کیا اور شاید کشیدگی کو دور کرنے اور ملک میں ایک خوشگوار فضا پیدا کرنے کیلئے سب سے کارآمد طریق کار وہی تھا' ان کی نگہ تیز بین نے اندازہ لگالیا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلافات اتنے بنیادی ہیں کہ دین الٰہی کا ملغوبہ بنا کر

یا "رام" یا "رحمان" کو ایک کہہ کر انہیں جوڑا نہیں جاسکتا۔ یہ ایک سعی لاحاصل ہے یا خرابیوں کا پیش خیمہ اور بہرکیف اسلام اور مسلمانوں کے لئے خطرہ عظیم ہے۔ باہمی امن و امان کی خاطر اور ہندوستان کے خاص حالات کیلئے زیادہ سے زیادہ وہ جس بات کو گوارا کرسکتے تھے وہ یہ تھی " مسلمانان بردین خود باشند و کفار برکیش خود (آیہ کریمہ)

"لکم دینکم ولی دین" بیان این معنی است" (۴۸) (یعنی مسلمانوں کو اپنے دین کی اتباع کرنی چاہئے اور ہندوؤں کو اپنے مذہبی عقائد کی' قرآنی آیت لکم دینکم ولی دین کا یہی مفہوم ہے) یعنی امتزاج یا اتحاد (INTEGRATION) نہیں رواداری(CO-EXTISTENCE)۔(۴۹)

شیخ مجدد اپنے ایک مکتوب میں مشرکین کی نجاست سے متعلق اپنے نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ خلق خدا پر رحم کریں اور عام طور پر ان کی نجاست کا حکم نہ دیں اور مسلمانوں کو بھی کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث جس سے چارہ نہیں نجس نہ جانیں اور وہمی نجاست کے باعث مسلمانوں کے کھانے پینے سے پرہیز نہ کریں اور اس طرح سب سے بیزار نہ ہوں"۔(۵۰)

خلیق احمد نظامی آپ کے رویہ میں پیدا شدہ اس لچک کی توجیہ یوں کرتے ہیں کہ "درحقیقت ان کا رویہ اکبر کے مذہبی تجربات اور اس سے پیدا شدہ درباری ماحول کے خلاف ردعمل کے طور پر پیدا ہوا تھا جیسے ہی یہ ماحول ختم ہوا ان کے رویہ میں بھی غیر معمولی تبدیلی آگئی"۔ (۵۱)

آپ کے رویہ کی یہ تبدیلی دراصل ہندو مسلم ترکیب اور باہمی اختلاط و اتحاد کے برخلاف محض وقتی مصلحت اور ضرورت کی نشاندہی کرتی ہے ورنہ آپ کا واضح موقف یہی تھا کہ مسلمان ہر اعتبار سے ہندوؤں سے جداگانہ ملت ہیں' ان سے اتحاد ممکن نہیں۔ اگرچہ وہ ایک ہی خطہ زمین میں ایک ساتھ بستے ہیں مگر ان کا نظریہ حیات اور ان کی منزل جدا جدا ہے تاریخ نے آپ کے نقطہ نظر کی تائید کی' ہندو مسلم اتحاد کبھی پنپ نہ سکا' اختلافات بڑھتے گئے اور مسلمانوں میں جداگانہ قومیت کا شعور بیدار ہوتا گیا جو بالآخر ہندوستان کی تقسیم پر منتج ہوا۔

اس اعتبار سے گویا آپ پہلے مصلح ہیں جنھوں نے برصغیر میں "دو قومی نظریہ" پورے

زوروشور سے پیش کیا جس سے آپ کا مقصد دراصل ہمیشہ کیلئے ہندو مسلم اتحاد کا دروازہ بند کرنا تھا تاکہ مستقبل بعید میں کسی موڑ پر بھی مسلمان ایک خطہ زمین میں رہنے کی وجہ سے ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کرکے قومیت کے نظریہ کو تشکیل نہ دیں' اس طرح آپ نے اپنے مثبت افکار کے ذریعہ احیاء اسلام کے ساتھ ساتھ ہندومت کے احیاء کی تحریکوں کو ناکام بنایا اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو ہندواثرات سے بچانے میں کامیاب ہوگئے۔

اگرچہ دور جہانگیری آپ کی تحریک اور فکر سے کافی متاثر نظر آتا ہے۔ تزک جہانگیری سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں آپ کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کے زیراثر جہانگیر کو ترویج شریعت کا خاص خیال رہتا تھا اور اس کے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا۔ (۵۲) مگر اس تحریک کے اثرات ہمیں دور شاہجہانی اور دور عالمگیری میں زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

مورخ اشتیاق حسین قریشی دورعالمگیری کو حضرت مجدد کی مساعی کا نقطہ عروج قرار دیتے ہیں۔ (۵۳)

اس دور میں اسلامی نظام حکومت و سیاست کے ہرشعبہ میں اس طرح دخیل ہوچکا تھا کہ اس کی واضح اور گہری چھاپ ہر جگہ دکھائی دیتی تھی' اسلامی عظمت و سطوت کے اظہار کیلئے شاندار مساجد تعمیر کی گئیں' ہندوؤں کے متعلق سخت پالیسیاں اختیار کی گئیں' غیرمسلموں پر ازسرنو جزیہ عائد کیا گیا جس کا مقصد مسلمانوں کی حاکمانہ برتری اور ان کے مقابلے میں غیرمسلموں کی محکومانہ حیثیت کا اثبات تھا' سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد بھی حضرت مجدد کے افکار کے زیراثر مسلمانوں کے ہاں جداگانہ ملت ہونے کے رجحان نے مذہبی عقیدے کی سی شکل اختیار کرلی جس کے اثرات بہت بعد تک قائم رہے' اقبال کی ملی شاعری دراصل اسی فکر کی صدائے بازگشت تھی اور تحریک پاکستان کے پیچھے جو مذہبی محرکات کام کررہے تھے ان کا اساسی نقطہ بھی یہی تھا اور اسی کے ذریعے اسے سب سے زیادہ تقویت ملی۔

حواشی

۱۔ دیکھیے۔ (ا) عبدالعزیز شاہ: "عجالہ نافعہ"۔ مطبوعہ کراچی ۱۳۸۳ھ ص ۵۔۱۷۴

(ب) احمد امین: "ظہرالاسلام"۔ ج ۴ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۵ء ص ۲۲۸۔۲۲۹

۲۔ دیکھیے۔ تارا چند' ڈاکٹر: "تمدن ہند پر اسلامی اثرات"۔ (ترجمہ اردو از پروفیسر محمد مسعود احمد) لاہور ۱۹۶۴ء ص ۹۷

۳۔ خلیق انجم: "مرزا محمد رفیع سودا"۔ علی گڑھ ۱۹۶۶ء ص ۴۷ (ملخصاً) بحوالہ "مقامات مظہری" از شاہ غلام علی دہلوی (ترجمہ و تحقیق محمد اقبال مجددی) لاہور اردو سائنس بورڈ ۱۹۸۳ء ص ۱۲۷۔۱۲۸

۴۔ DURIE OSBORN MAJOR : ISLAM UNDER THE KHALIFS OF BAGHDAD P-12

۵۔ کے ایم پانیکر۔ A SUERVEY OF INDIAN HISTORY". BOMBAY 1947 P -155

۶۔ دیکھیے۔ آبادشاہ پوری: "حضرت مجدد الف ثانی کے سیاسی مکتوبات"۔ لاہور مکتبہ چراغ اسلام ۱۹۷۷ء ص ۳۸۔ نیز دیکھیے

اکرام شیخ: "رود کوثر"۔ لاہور۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۸۷ء ص ۱۰۰۔۱۰۱ نیز "اکبرنامہ" ازابوالفضل بحوالہ رود کوثر ص ۱۰۰

۷۔ دیکھیے چوپڑ ایران ناتھ کی کتاب

SOME ASPECTS OF SOCIETY AND CULTURE DURING THE MUGHUAL AGE".

بحوالہ "THE GREAT MUGHUL" P-82

۸۔ SIRI RAM SHARMA "THE RELIGIOUS POLICY OF THE MUGHUL EMPEROIR" P -42-43

نیز ایک اور ہندو مصنف اکبر کے بارے میں اپنی تصنیف میں یوں اظہار خیال کرتا ہے کہ اکبر گینو برہمن کا بھگت تھا' تناسخ کا قائل تھا روزانہ گیتا سنتا تھا غرضیکہ' اس کے خون کے قطرے قطرے میں ہندوپن کا جذبہ صحیح طور پر سما چکا تھا" (چھیری رام حلیم "شہنشاہ اکبر اور ہندو

دھرم"۔ ص۱۹)

۹۔ IBD.P-23

۱۰۔ SRIVASTAVA M.P "POLICIES OF THE GREAT MUGHULS" LAHORE BOOK TRADERS 1979.P-86

۱۱۔ "THE RELIGIOUS POLICY OF THE MUGHUL EMPEROR" P-24

۱۲۔ دیکھئے۔ بدایونی، "منتخب التواریخ" لکھنؤ نول کشور ۱۸۶۸ء ص ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۴۴

(ص ۵ بقیہ حواشی دیکھیں آئندہ صفحہ پر)

۱۳۔ دیکھئے۔ POLICIES OF THE GREAT MUGHULS" P-89

۱۴۔ منتخب التواریخ۔ ص ۲۲۶

۱۵۔ ص ۱۵ ایضاً" ص ۲۴۳۔ ۲۴۴

۱۶۔ شیخ اکرام نے "رود کوثر" میں بدایونی کے متعلق اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ص ۱۱۳۔ ۱۱۴ قاضی جاوید نے "مسلم فکر کا ارتقاء" میں بدایونی کو تنگ نظر، مذہبی جنونی اور حاسد قرار دیا ہے۔ دیکھئے ص ۹۴ مطبوعہ لاہور۔ نگارشات ۱۹۸۶ء۔

۱۷۔ یہ کتاب ۳ جلد میں کلکتہ سے طبع ہوئی ۱۸۶۷ء۔ ۱۸۷۷ء اس کے اردو و انگریزی میں تراجم بھی دستیاب ہیں۔

۱۸۔ "طبقات اکبری" ۱۹۱۳ء۔ ۱۹۳۱ء میں کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی سے ۳ جلدوں میں طبع ہوئی

۱۹۔ اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

۲۰۔ "خلاصۃ المعارف" (مولفہ و مکتوبہ ۱۰۳۷ھ) مخطوط انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔

۲۱۔ "جہانگیر نامہ" لکھنؤ سے ۱۸۹۸ء میں طبع ہوا۔

۲۲۔ "دبستان مذاہب" بمبئی سے ۱۸۲۶ء میں طبع ہوئی

۲۳۔ نکولس مینوکی کی "فسانہ سلطنت مغلیہ" (مترجم سید مظفر علی) آگرہ سے ۱۹۲۰ء میں طبع ہوئی

۲۴۔ متعدد مترجم ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

۲۵۔ "آئین اکبری" مطبوعہ لکھنؤ ا ص ۲۸، ۲۹، ۳۲، ۱۱۰، ۱۹۳ وغیرہ۔

۲۶۔ دیکھئے۔ قاضی جاوید: "برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء"۔ لاہور' نگارشات ۱۹۸۶ء
ص ۱۵۳۔۱۵۴' نیز اسی مصنف نے "افکار شاہ ولی اللہ" (لاہور' ادارہ ثقافت پاکستان ۱۹۷۷ء
ص۳۶) میں بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے

۲۷۔ احمد فاروقی' مجدد الف ثانی' "مکتوبات امام ربانی"۔ لکھنؤ ۱۹۱۳ء ج ۱ ص ۴۱۔۴۲ مکتوب
(۳۱)' نیز مکتوب (۴۳) ص ۵۷

۲۸۔ ایضاً" مکتوب (۴۳) ص ۵۷

۲۹۔ ایضاً" مکتوب (۳۱) ص ۴۱

۳۰۔ تفصیل کیلئے دیکھیں۔ "مکتوبات امام ربانی" ج ۱ ص ۵۷ مکتوب (۴۳) وغیرہ

۳۱۔ دیکھئے۔ "مکتوبات امام ربانی" ج ۱ مکتوب (۳۰' ۳۱) ج ۲ مکتوب (۸۰) ج ۳ مکتوب (۵۳)

۳۲۔ یہودی مستشرق ہارڈی آپ کے نقطہ نظر کی ترجمانی انہی الفاظ سے کرتا ہے۔ مثلاً" دیکھئے
HARDI " SOURCES OF INDIAN TRADITIONS". NEWYORK 1959 P-449

۳۳۔ مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب (۲۶۷)

۳۴۔ ایضاً"۔ دفتر سوم' مکتوب (۴۱)

۳۵۔ اشتیاق حسین قریشی: "برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ"۔ (اردو ترجمہ) کراچی'
شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ ۱۹۸۳ء ص ۲۰۱

۳۶۔ ایضاً" ص ۲۰۰

۳۷۔ ایضاً" ص ۲۰۱

۳۸۔ BURHAN AHMAD FAROOQI " THE MUJADDID S CONCEPTION OF TAWHID.
LAHORE 1939P-18-19

۳۹۔ سرور محمد: "افادات و ملفوظات مولینا عبیداللہ سندھی"۔ لاہور۔ سندھ ساگر اکادمی ۱۹۸۶ء
ص ۲۴۱

۴۰۔ مکتوبات۔ دفتر اول مکتوب (۱۴۳)

۴۱۔ مکتوبات۔ دفتر اول مکتوب (۱۹۳)

۴۲۔ برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء ص ۱۵۸

۴۳۔ IRFAN HABIB "THE POLITICAL ROLE OF SHEIKH AHMAD SIRHAN AND SHAH WALI ULLAH PROCEEDING OF INDIAN HISTORY CONGRESS ALI GARH PART-1P.211

۴۴۔ مکتوبات ج ۲ مکتوب ۹۲ ص ۲۴۲

۴۵۔ ایضاً" ج ۱ مکتوب ۸۱ ص ۱۰۶

۴۶۔ مثلاً" دیکھیے اس دور کی اہم اور نمایاں شخصیات خان اعظم' خان خاناں اور شیخ فرزند وغیرہ کو تحریر کردہ مکتوبات مثلاً" ج ۱ ص ۸۲۔۸۳ مکتوب (۶۵)' مکتوب (۸۱) ص ۱۰۶ نیز ج ۲ ص ۲۴۴ مکتوب (۹۲)

۴۷۔ FRIED MANN YOHANAN "SHEIKH AHMAD SIRHINDI-AN OUT LINE OF HIS THOUGHT AND STUDY OF HIS IMAGE IN THE EYES OF POSTERITY". MEGILL UNIVERSITY MONTREAL AND LONDON 1971P-75

۴۹۔ "رود کوثر"۔ ص ۳۲۴۔۳۲۵

۵۰۔ "مکتوبات امام ربانی" ج ۳ مکتوب (۲۲) ص ۵۳

۵۱۔ NIZAMI K.A." NAQSHBANDI INFLUENCE ON MUGHAL RULERS OF POLITICS". ISLAMIC CULTURE HYDERABAD DECCAN. VOLXXXIX NO.1 JAN1965 P -50

۵۲۔ جہانگیر:" توزک جہانگیری" (اردو ترجمہ) لاہور ۱۹۶۰ء ص ۳۲۳' ۳۴۶

۵۳۔ QURESHI ISHTIAQ HUSSAIN:" HISTORY OF FREEDOM MOVEMENT". KARACHI 1957 VOL-1P-20